جواب میں جو کچھ ہو رہا ہے اور زیادہ تر اسکولوں، کالجوں میں تعلیم پانے والے لڑکوں ہی کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ وہ اصولی اور بنیادی طور پر وہی ہے۔ جس کا عادی ان کو تحریک پاکستان کی جدوجہد میں بنایا گیا تھا۔ وہ اس کی ابتدا تھی اور یہ اس کی انتہا ہے۔ دوسرے اقتصادی، معاشی اور سیاسی عوامل و محرکات سے انکار نہیں لیکن اگر ذہنیتوں میں وہ فساد نہ ہوتا تو اختلافات کا انجام ہرگز یہ نہ ہوتا۔

اس موقع پر دلی دکھ کے ساتھ اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ کہ اگرچہ قیام پاکستان کے پہلے دن سے سورج کی روشنی کی طرح یہ بات برابر ظاہر ہوتی رہی ہے کہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں اسلام کا نام لے کر جو کچھ باور کرایا گیا تھا۔ اور نادانی و سادہ لوحی سے جس پر یقین کر لیا گیا تھا۔ وہ صرف دھوکہ تھا، وہاں ایک دن کے لئے بھی اللہ کے دین اسلام کی حکومت نہیں ہوئی بلکہ وہ بے چارہ محکوم اور مظلوم ہی رہا اور ہے۔ اسی طرح وہاں کے ارباب اقتدار نے ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ وہی رویہ رکھا ہے۔ جو عموماً حکومتیں غیر ملکیوں کے ساتھ کرتی ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے ہمیشہ ہماری مشکلات میں کچھ اضافہ ہی کیا ہے۔ جسے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے۔ جس کو اللہ نے ان باتوں کی کچھ سمجھ بوجھ دی ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ یہاں بھی مسلمانوں میں ایک اچھا خاصا طبقہ موجود ہے۔ جس کا ذہن ۲۵ سال کے اس تجربہ کے بعد بھی نہیں بدلا ہے۔ اور اسکی خوش فہمی و خوش اعتقادی اور جذباتیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کا سب سے بڑا ضرر یہ ہے۔ کہ یہ بے چارے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو کبھی صحیح روشنی میں نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حل کرنے کے لئے کبھی صحیح راستہ نہیں اپنا سکتے، بلکہ اس کی راہ میں مشکلات ہی کا سبب بن رہے ہیں۔ (الفرقان لکھنؤ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ)

کیا ہم میں غلطی تسلیم کر لینے کی جرأت ہے۔؟

(جناب شاہد رام نگری۔ ایڈیٹر نقیب پھلواری شریف پٹنہ)

یہ دنیا مسلسل تبدیلیوں اور پیہم انقلابات کا نام ہے۔ اس کارخانۂ عالم میں نہ کسی شئے کو قرار و قیام ہے۔ نہ ثبات و دوام، ہر صبح کی مقدر میں شام ہے اور ہر شب تار نمود صبح کی نقیب و پیامبر، افراد کا معاملہ ہو یا قوموں کا کوئی بھی تغیر و تبدل کے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ زندہ قومیں ہر لمحہ انقلابات کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ تبدیلیوں سے سراسیمہ ہونے کے بجائے وہ ان کو اپنی ترقی اور کامیابی و کامرانی کا زینہ بنا لیتی ہیں، تبدیلیوں کے خوف سے الگ تھلگ رہنا یا بے حسی اور بے حسی کی زندگی

پہ قناعت کر لینا گویا جمود اور موت کو اپنے اوپر مسلط کر لینا ہے۔

اس برصغیر میں مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ کا جائزہ لیا جائے۔ تو اس میں کتنے ہی نشیب و فراز ملیں گے کامیابیوں کے جشن اور کامرانیوں کے چراغاں کے ساتھ اس میں مایوسیوں اور نامرادیوں کے اندھیرے بھی ملیں گے، لیکن ملت اسلامیہ کا کاروان ہر موڑ پر اپنے نقش قدم چھوڑتے ہوئے رواں دواں ہے۔ گزشتہ چند ہفتوں کے دوران برصغیر ہند و پاک میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے ہم مبہوت رہ گئے ہیں۔ ہماری آرزوں، تمناؤں اور امیدوں کے خلاف حالات کی ایک ایسی تصویر ابھر کر ہمارے سامنے آئی ہے۔ جسکی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے اپنے آپ کو رضامند کرنے میں ہمیں کافی دشواری محسوس ہو رہی ہے۔ فکری اور ذہنی طور پر ہمارے پاؤں اکھڑ گئے ہیں، لیکن ابھی تک ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس پسپائی کے بعد ہماری دوسری دفاعی لائن کہاں ہوگی، ہم سے یہ کہا جا رہا ہے کہ میدان میں ڈٹے رہو مایوسی گناہ ہے، لیکن تلوار ٹوٹ جانے کے بعد خالی میدان سے کب تک بھرم قائم رہ سکے گا۔

کچھ عرصہ قبل انہیں اوراق میں ہم نے لکھا تھا۔ کہ ہر آغاز میں اس کا انجام پوشیدہ ہوتا ہے۔ پودا کیسا ہوگا، اس کا بہت حد تک انحصار بیج پر ہوتا ہے۔ اگر بیج میں خرابی ہوگی تو پودے میں بھی وہ خرابی ضرور نمایاں ہوگی۔ آج ۱۹۷۲ء میں جن حالات کا ہم کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ان کا بیج ۱۹۴۷ء میں ہی پڑ گیا تھا۔ اس وقت جذبات سے مغلوب ہو کر ہم نے ایک ایسا فیصلہ کر ڈالا تھا۔ جو ایک طرح سے پسپائی کے مترادف تھا۔ اسلام نے ہمیں ساری دنیا میں پھیلنے بڑھنے اور شرق تا غرب چھا جانے کی بشارت دی، جب تک ہمارے اندر صحیح اسلامی روح کارفرما تھی۔ ہم خیر و برکت بن کر پھیلتے بڑھتے اور ساری دنیا پر چھاتے چلے گئے۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں انگریز حاکموں نے ہمیں اپنا آلۂ کار بنانے کے لئے اکثریت اور اقلیت کا ایک نیا فلسفہ ایجاد کیا۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ہم کم تعداد میں ہیں اس لئے زیادہ تعداد والے لوگوں سے ہماری تمام چیزوں کو خطرہ ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ کم تعداد میں ہوتے ہوئے بھی اس سرزمین پر سات سو سال تک ہم حکومت اور سرداری کے منصب پر فائز رہے۔ انگریز حاکم ہمیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ ہمیں اپنی پسندیدہ چیزوں کی حفاظت کے لئے ایک ایسے خطۂ ارض کی ضرورت ہے۔ جہاں ہم غالب تعداد میں ہوں۔ یہ فلسفہ ایک زخم تھا۔ لیکن ہم نے اس کو مرہم سمجھ کر اپنے سینے سے لگایا اور زمین پر ایک مصنوعی لکیر کھینچ کر اس فریب کا شکار ہو گئے کہ اس طرف سب غیر محفوظ اور اس طرف سب کچھ محفوظ، اسپین کے ساحل پر کشتی جلانے والی قوم نے ایسی ٹھوکر پہلے کبھی نہیں کھائی تھی، لکیر کھینچنے کے بعد پتہ چلا کہ جتنے لکیر کے

اس پاٹ میں اس کے آدھے پھر بھی اس پار رہ گئے۔ ہم جس چیز کو مسئلے کا حل سمجھ رہے تھے۔ اس سے اور نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے۔ پاکستان، سندھ، سرحد، پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریت کے لئے نہیں باقی صوبوں کی مسلم اقلیت کے لئے وجود میں لایا گیا تھا، لیکن یہ مسلم اقلیت آج اسی پاکستان کے سینے پر بار گراں بن گئی ہے۔ آج بنگلہ دیش میں ہندوستانی فوج اسی مسلم اقلیت کے جان و مال کے تحفظ کی ضامن ہے۔ اور ہمیں یہ سوچنا پڑ رہا ہے کہ کاش ایسی کوئی صورت پیدا ہو جائے کہ یہ لوگ اپنے عزیز و اقارب اور اپنی جنم بھومی سے آملتے، بظاہر یہ ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں، کل تک ہمیں بنگلہ دیش کا قیام ناممکن نظر آتا تھا۔ آج وہ ناقابلِ تردید حقیقت کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

آج ہمارے گرد و پیش جو حالات ہیں ان کو بدلا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم اپنے آپ کو بدلنے کے لئے تیار ہوں، بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان غلطیوں کو محسوس کریں جو ہم نے پچھلے ۲۵ برسوں میں کی ہیں۔ دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بھی غلطی کا احساس ہو جائے تو اس کو فوراً سدھار لیا جائے۔ اگر ہماری منزلِ مقصود مغرب میں ہے اور غلطی سے ہم مشرق کی طرف چل پڑے ہیں۔ تو خواہ کتنا ہی آگے نکل جائیں منزل سے دور ہی ہوتے جائیں گے۔ ۲۵ برس کے بعد کسی غلط فیصلے سے پلٹنا آسان نہیں۔ لیکن اس کے بغیر چارۂ کار بھی کیا ہے۔ ہمارے لاکھوں عزیز و اقارب جو مشرقی بنگال میں تھے۔ ان کی سلامتی کے لئے ہم چاہتے تھے۔ کہ پاکستان ٹوٹنے سے بچ جائے۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان ٹوٹ گیا۔ دراصل پاکستان ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے اس کا دارو مدار ان لوگوں پر تھا جن کے ہاتھوں میں پاکستان کی باگ ڈور ہے۔ وہ نااہل اور ناکارہ ثابت ہوئے۔ وہ پاکستان کو ثابت نہ رکھ سکے۔ کل بھی پاکستان کا جو کچھ ہونا ہے۔ اس میں ہمارے چاہنے یا نہ چاہنے سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ ہوگا وہی جو وہاں کے لوگ چاہیں گے۔ اسطرح ہندوستان میں ہمارا مستقبل کیا ہوتا ہے۔ یہ خالصتہً ہمارے اوپر منحصر ہے۔

پاکستان خوف اور نفرت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ اسی خوف اور نفرت نے پاکستان کو کھالیا۔ جو ڈر انگریزوں نے مسلمانوں کے دلوں میں ہندو اکثریت کے خلاف پیدا کیا تھا۔ اسی طرح کا ڈر پاکستان کی بنگالی اکثریت کو غیر بنگالی اقلیت سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے ڈر کے خاتمے کے لئے انہوں نے جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ کیا، لیکن جب فوجی حکمران جمہوری حقوق کا گلا گھونٹنے پر تیار ہو گئے تو ڈر نے نفرت اور تشدد کی شکل اختیار کر لی اور عوام نے ہتھیار اٹھا لیا۔ خوف اور نفرت منفی بنیاد ہے۔ اس بنیاد پر ایک تعمیری قوم کی تعبیر ممکن نہیں ہے۔ اگر پاکستان نے نفرت اور خوف کے زہریلے احساسات کو ختم کرنے کی کوشش نہ

باقی صفحہ ۵۹ پر